مولانا ریاض الحسن نوری ایم - اے

قسط نمبر ۲

نفاذِ شریعت

نظام مصطفےٰ ص کے طریق پر معاشی خوشحالی مرکب ہے تین چیزوں سے -

۱ - جدید علوم کی روشنی میں مادی لحاظ سے منصوبہ بندی -

۲ - توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا -

۳ - اسلام کے معاشی و غیر معاشی نظام کا نفاذ -

مادی منصوبہ بندی کے متعلق اس موقع پر ہم گفتگو نہیں کرنا چاہتے - البتہ دوسری بات کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حضرت نوحؑ نے کہا :

" فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا ہ یرسل السماء علیکم مدرارا ہ و یمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انھارا ہ مالکم لا ترجون للہ وقارا " (نوح : ۱۰ تا ۱۳)

کہ "میں نے اپنی قوم سے کہا ، اپنے رب سے معافی مانگو وہ بیشک بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر خوب بارشیں برسائیگا ، تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا ، تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کریگا ، تمہیں کیا ہوگیا کہ تم اللہ کے لئے کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے ؟"

مشہور حدیث میں آیا ہے کہ کسی ایک حد کا قائم کیا جانا اس سرزمین کے لئے چالیس روز کی بارش سے زیادہ بابرکت ہوتا ہے[۱] - پس اگر حاکم عالم دین نہ ہوگا اور ملک میں اسلامی نظام نافذ نہ ہوگا تو ملک بہت

[illegible] بعد حدیث (من احاط حائطا علی ارض

فھی لہ) کی رو سے جو شخص بھی کسی ایسی زمین کو زرعی طریقہ پہ آباد کرے گا یا اس پہ کوئی جھونپڑی ڈال لے گا، جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور آبادی سے ذرا فاصلے پہ ہو تو وہ زمین ہمیشہ کے لئے اس کی ملکیت بن جائے گی۔ امام ابن حزم اور ائمہ ثلاثہ و صاحبین کے نزدیک اس آبادکاری اور ملکیت بنانے کیلئے حکومت کی اجازت ضروری نہیں ہے۔ صرف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حکومت کی اجازت ضروری ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق یہ شرط امام صاحب نے صرف اس لئے لگائی تھی تاکہ لوگوں کا آپس میں جھگڑا نہ ہو۔ ورنہ فی الحقیقت حکومت کی اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابن حزمؒ کے نزدیک آبادی کے اندر بھی جو زمین کسی خاص شخص کی ملکیت نہ ہو اور حکومت نے کسی خاص کام کیلئے مختص نہ کر رکھی ہو یا شارع عام نہ ہو تو ایسی زمین پر جو بھی جھونپڑی یا کچا مکان بنا لیگا وہ ہمیشہ کیلئے اس کی ملکیت بن جائے گی۔ امام مالکؒ کے نزدیک آبادی کے پاس جو زمین ہو گی اس کی آبادکاری کیلئے حکومت کی اجازت لینی ضروری ہے۔ کیونکہ ہر شخص اس کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں اصل حکم حدیث کا ہے۔ ابن حزم لکھتے ہیں:

لہ (حاشیہ صفحہ گذشتہ) امام ابن تیمیہؒ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ رزق کی کمی اور دشمن کے خوف کا سبب بنتے ہیں۔ اس پہ کتاب و سنت دال ہیں۔ جب حدود قائم ہوتی ہیں تو طاعات ظاہر ہوتی ہیں، معصیت میں کمی آجاتی ہے تو رزق اور فتح حاصل ہوتی ہے۔ (السیاستہ الشرعیہ ص ۶۱)

اگر سربراہِ مملکت صالح ہو تو اس کی برکات ظاہر ہوتی ہیں۔ مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو چرواہے کہنے لگے کہ یہ کون صالح شخص ہم پر حکومت کر رہا ہے جس کے عدل کی وجہ سے بھیڑیوں نے ہماری بکریوں کو نقصان پہنچانا چھوڑ دیا ہے۔

موسیٰ بن اعین کا بیان ہے کہ میں خلافت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں کرمان میں بکریاں چراتا تھا بھیڑیے ہماری بکریوں کے پاس آجاتے مگر کوئی نقصان نہ پہنچاتے۔ ایک رات ایک بکری پر ایک بھیڑیے نے حملہ کر دیا۔ اس پہ میں نے کہا کہ وہ مردِ صالح وفات پا گیا ہے۔ ورنہ بھیڑیے کو بکری پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

بعد میں ہم نے جب حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اسی رات خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہوا تھا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۲۳۳)

"من عمر ارضا لیس لاحد فھو احق بھا قال عروۃ وقضی بہ عمر، بخاری"

یعنی "آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت نہ تھی تو وہی اس کا حقدار ہے۔ عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اسی کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے"

مزید وہ قرآنِ مجید کی آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب کسی بات کا فیصلہ حضورؐ کی طرف سے ہو جائے تو پھر حکومت یا کسی اور کو یہ اختیار ہی باقی نہیں رہتا کہ اس میں ردّ و بدل کرے۔ (مسئلہ ۱۴۲۸ محلی ابن حزم)

حکومت کو کبھی آبادیوں کا مسئلہ طے کرنے میں چار سال اس لئے لگ گئے کہ حکومت قرآن و سنت سے نابلد تھی۔ اگر اسلامی شریعت نافذ ہوتی اور حکومت اور عوام اس سے واقف ہوتے تو یہ مسئلہ فوری طور پر حل ہو سکتا تھا۔ اب آئندہ کیلئے بھی نئی آبادکاری کے لئے اس قانون پر عمل کیا جائے تو غریبوں کو مکان بنانے اور کاشتکاروں کو کاشت کیلئے زمین بآسانی مہیا ہو سکتی ہے۔

اگر حکومت لوگوں کو زمین آبادکاری کے لئے دیتی ہے۔ یا وہ خود بغیر اجازت حکومت کے آبادکاری کر لیتے ہیں تو اس میں حکومت کا کوئی احسان نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص جنگل سے شکار مار لائے یا دریا پر جا کر مچھلیاں پکڑ لائے تو یہ شکار اسی کی ملکیت ہوگا۔ اور یہ جو حکومت شکار کیلئے لائسنس دیتی ہے اور فیس لیتی ہے، یہ سب شرع محمدی کے مطابق ظلم اور زیادتی ہے۔

جمہوریت اور اسلام:

لینن نے لکھا ہے کہ حکومت کی موجودگی میں دنیا میں انصاف کبھی قائم نہیں ہو سکتا اور انصاف جب ہی قائم ہوگا جب کہ حکومت رفتہ رفتہ مٹ جائیگی"

ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے:

"مارکس ازم نے ہمیشہ یہ تعلیم دی ہے کہ طبقات کی منسوخی کے ساتھ ریاست بھی منسوخ ہو جائیگی"

(ریاست اور انقلاب مطبوعہ ماسکو ۱۹۷۱ء ص ۶۹)

مگر اسلام ریاست کو منسوخ نہیں کرتا بلکہ ایک طرف حکام کو اس کا پابند کرتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی دی ہوئی حدود میں شریعت کے قانون کے مطابق ملک کا نظام چلائیں۔ دوسری طرف ہر عامی کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ حاکم وقت کو بر سرِ عام ٹوک سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مہر کم مقرر کیا کرو۔ یہ سن کر فوراً ایک بڑھیا کھڑی ہو گئی کہ "اللہ تو کہتا ہے کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو سونے کا ڈھیر بھی دیا ہو تو واپس مت لو، پھر آپ مہر کی حد مقرر کرنے والے کون ہوتے

... بڑھیا نے بے ساختہ کہا کہ اے

بادشاہ، جب تم اس ملک کا انتظام نہیں کر سکتے تو اسے اپنے قبضہ میں کیوں رکھتے ہو؟ چھوڑ دو کہ دوسرا اس کا انتظام کرے! بادشاہ یہ سن کر شرمندہ ہوا اور بڑھیا کو تسکین دی۔ پھر قزاقوں کا قلع قمع کر دیا۔ (ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں حصہ اول صفحہ ۱۵، مطبوعہ اعظم گڑھ)

ہندوستان میں عوام بادشاہوں کو روک کر ان سے مطالبات کیا کرتے تھے۔ واقعات مشتاقی صفحہ ۱۰ پر ہے کہ ایک ملّا سلطان بہلول لودھی کے خلوت کدہ میں گھس گیا۔ اور ایسی حالت میں کہ سلطان غسل کیلئے جا رہا تھا، اسے روک لیا اور مجبور کیا کہ پہلے اس کے مطالبے کو پورا کرے پھر غسل خانہ میں قدم رکھے۔ سلطان نے بلا اظہار ناراضگی اس کی خواہش کو پورا کر دیا۔ (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، صفحہ ۳۴۴، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی)

اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے۔ اسلام میں بادشاہ ہو یا عام شخص، ہر ایک کا فرض ہے کہ نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے۔ اس کا ان شاء اللہ مفصل ذکر آئندہ کیا جائیگا۔

پارلیمانی جمہوریت میں تو سپیکر کی مرضی ہے کہ کسی ممبر کو کسی خاص موضوع پر گفتگو کرنے کی اجازت دے یا روک دے لیکن اسلام میں ہر شخص جب چاہے خلیفہ تک کو ٹوک سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی جواب طلب کر سکتا ہے کہ تم نے یہ جو کپڑے پہنے ہیں یہ کہاں سے آئے؟ خلیفہ کو اگر معالج شہد تجویز کرے تو بیت المال سے نہیں لے سکتا جب تک مسجد میں جا کر عام نمازیوں سے اجازت حاصل نہ کر لے۔ حضرت ابوبکرؓ نے وقتِ رحلت ساری تنخواہ واپس کر دی، حضرت عمرؓ قرض دار گئے، حضرت عثمانؓ نے کبھی کچھ نہ لیا، حضرت علیؓ کا زہد مشہور ہے۔ منصور عباسی نے کبھی تنخواہ نہ لی اور اپنے بیٹے کو بھی یہی نصیحت کی۔

حضرت علیؓ کا قاعدہ تھا کہ بیت المال میں زیادہ دیر رقم جمع نہ رہنے دیتے بلکہ روپیہ عوام میں تقسیم کر کے جھاڑ و پھیر دیا کرتے تھے۔ دیکھئے تاریخ الخلفاء مؤلفہ سیوطی۔

زمانہ خلفائے راشدین میں ہمیشہ حالت ہنگامی اور جنگ کی رہی لیکن قرآن و سنت سے متجاوز کوئی قانون نہ بنایا گیا۔ اسلام میں جدید ایمرجینسی قوانین کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ ایسے قوانین نافذ کرنے والا اپنے حلفیہ بیان کردہ ایمان کی خلاف ورزی، اس سے بغاوت اور قرآن و سنت یعنی ساورن کے آئین کا توڑنے والا قرار پائے گا۔ حضورؐ کی حدیث ہے کہ حکومت کی اطاعت صرف معروف میں ہے منکر میں نہیں۔ قرآن و سنت کی رو سے میدانِ جنگ میں ایک عامی مسلمان چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو اور چاہے غلام ہی کیوں نہ ہو، اسے

یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دشمن کے جس سپاہی یا دشمن کے جس قلعہ کو چاہے امان دے دے، اس کی امان نافذ ہو گی حضرت عمرؓ کے دور میں ایک مسلمان غلام نے ایک قلعہ والوں کو امان لکھ کر تیر کے ذریعے ان کو پھینک دی، کمانڈر کو اس کا کوئی علم نہ تھا۔ آخر یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس غلام کی امان کو نافذ کیا حالانکہ وہ کمانڈر کی اجازت کے بغیر دی گئی تھی۔ اس قانون کی بنیاد حضور صلعم کی یہ حدیث ہے:

"یسعیٰ بذمتھم ادناھم"

یعنی "ادنیٰ مسلمان بھی امان دے سکتا ہے" (شرح السیر الکبیر مؤلفہ السرخسی ص ۵۷۶)

پس آج کا مسلمان جدید جمہوریت میں غلام سے بدتر پوزیشن میں ہے ؎

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است

نظامش خام و کاوش ناتمام است

غلام فقر آں گیتی پناہم

کہ در دینش ملوکیت حرام است

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر نمازی گویا پارلیمنٹ کا ممبر ہوتا تھا۔ آپؐ سیاسی ہی نہیں، فوجی فیصلوں میں بھی ان سے حکم قرآنی کے مطابق مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ جنگِ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارادہ مدینہ میں رہ کر جنگ کرنے کا تھا۔ مگر نوجوانوں کے اصرار پر آپؐ نے احد کی طرف کوچ فرمایا۔ یہ سب مشورے مسجد میں عام نمازیوں سے کئے جاتے تھے۔

جمہوریت کے اچھے اصول یورپ نے اسلام سے لئے ہیں۔ یہ اسی علم کا اثر ہے کہ بقول نوائے وقت ۱۴ مئی ۱۹۷۷ء، برطانیہ کے وزیرِ اعظم نے کہا ہے کہ "اگر میرے داماد کے سفیر بنائے جانے پر تنقید ترک نہ ہوئی تو میں مستعفی ہو جاؤں گا اور دوبارہ انتخاب کراؤں گا۔"

اسلامی نظام دراصل مغرب کی جمہوریت کی تمام خرابیوں سے پاک اور اس سے کہیں اعلیٰ اور ارفع نظام ہے۔ مغربی جمہوریت کے خلاف اقبال اور برٹرینڈ رسل نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مثلاً رسل لکھتا ہے:

"THE PROBLEM OF THE DISTRIBUTION OF POWER IS A MORE DIFFICULT ONE THAN THE PROBLEM OF DISTRIBUTION OF WEALTH ---- ALMOST NOTHING HAS BEEN DONE TO DEMOCRATIZE ADMINSTRATION."

ہم مغربی دنیا کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں آج سے چودہ سو برس پیشتر حرفِ آخر کا اعلان کیا جا چکا ہے ۔ اس سلسلہ کی احادیث بخاری، ابو داؤد وغیرہ حدیث کی کتب میں موجود ہیں ۔ صحیح ابو داؤد کی کتاب الجہاد میں خاص "باب الطاعۃ" اسی مقصد کے لئے ہے ۔ اب سنیئے :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس کا ایک شخص کو امیر مقرر کیا ۔ لشکریوں کو اطاعت کا حکم دیا، وہ کسی بات پر غضبناک ہو گیا ۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کے مزاج میں ظرافت تھی ۔ غرض اس نے لشکریوں کو لکڑیاں جمع کر کے آگ جلانے کا حکم دیا ۔ پھر کہا کہ اس میں چھلانگ لگا دو ۔ اب لوگوں کی دو رائیں ہو گئیں ۔ کچھ تو حکم ماننے کیلئے تیار ہو گئے ۔ مگر دوسرے لوگوں نے کہا کہ ہم آگ سے بچنے ہی کیلئے تو اسلام لائے ہیں پھر آگ میں کیوں کودیں ۔ بات ٹل گئی ۔ جب یہ لوگ آپؐ کی خدمت میں واپس آئے اور واقعہ آپؐ کے گوش گذار کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا ،، اگر تم آگ میں کود پڑتے تو پھر اس میں سے کبھی نہ نکل سکتے " پھر فرمایا کہ جس حکم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو اس کی تعمیل نہ کرنی چاہیئے ۔ اطاعت کا حکم معروف میں ہے "

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ : " جب ایسا حکم دیا جائے جو خلافِ شرع ہو تو ایسے حکم کو نہ سنا جائے اور نہ اس کی اطاعت کی جائے "

"فلا سمع ولا طاعۃ"

اب ابو داؤد کی تیسری حدیث سنئے :

" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا ۔ اس لشکر کے امیر نے آپؐ کے بتائے ہوئے طریقہ پر پورا عمل نہ کیا ۔ واپسی پر آپؐ نے فرمایا : تم اس بات سے کیوں عاجز رہے کہ اگر میں تم پر ایک شخص کو امیر مقرر کر دوں اور وہ میرے بتائے ہوئے طریقہ کی پوری پابندی نہ کرے تو تم اس کو معزول کر کے اس کی جگہ ایسے شخص کو مقرر کر دو جو میرے بتائے ہوئے طریقے پر کام کرے " (ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۶۲۷)

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیر کو معزول کیا جا سکتا ہے تو پھر کسی اور کی کیا حقیقت ؟

حضرت عمرؓ نے کئی مرتبہ کمشنر یا ڈپٹی کمشنر وغیرہ (عامل) خود وہاں کے عوام کے مشورہ سے مقرر کئے ۔ . .

. . . اور اگر کسی عامل کی شکایت عوام کے ایک گروہ نے بھی کی تو اس کو معزول کر دیا ۔ آپؓ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کو محض اس لئے معزول کر دیا کہ بصرہ کے کچھ لوگوں نے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا، حالانکہ ان کا کچھ بھی قصور نہ تھا ۔

ایک اور واقعہ سنئے:

ایک فوجی افسر لشکر لے کر ایک نہر پر پہنچا تو ایک سپاہی کو حکم دیا کہ نہر میں گھس کر اس کی گہرائی معلوم کرے۔ سردی بلا کی تھی۔ اس شخص نے کہا مجھے ڈر ہے کہ اس طرح میری موت واقع نہ ہو جائے۔ مگر افسر نے اس کو مجبور کیا تو وہ نہر میں اتر گیا۔ پھر وہ یا عمر، یا عمر چلایا اور آخر ہلاک ہو گیا۔ اس بات کی خبر جب حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ بازار میں تھے، وہیں سے آپ نے صدا لگائی، حاضر ہوا، حاضر ہوا! پھر اس فوجی افسر کو بلا کر معزول کر دیا۔ پھر فرمایا "اگر مجھے اس کا ڈر نہ ہوتا کہ یہ سنت بن جائیگی تو میں تجھ سے قصاص لیتا، اب تمہیں کوئی نوکری نہ دی جائے گی۔" (عمر بن الخطابؓ لابن جوزی ص ۱۲۳)

ایک قاضی نے کسی کا ہاتھ چوری کے جرم میں کٹوا دیا۔ اس شخص نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس شکایت کی۔ آپؓ نے فرمایا: "اگر مجھے واقعی یقین ہو جاتا کہ تم بے قصور ہو تو میں قاضی کا ہاتھ تمہارے قصاص میں کٹوا دیتا۔"

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ بعض سرکاری افسر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ کسی پر زیادتی کرتے ہیں تو اس کا گناہ افسرِ بالا کو ہوگا کیونکہ حکم تو اسی کا ہوتا ہے۔ یہ سب شیطان کا چکمہ ہے، کیونکہ گناہ میں مدد دینے والا بھی گنہگار ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے کسی بالائی حاکم کے لئے کچھ وصول کرے گا تو وصول کرنے والا بھی ظلم میں مددگار ہونے کی وجہ سے ماخوذ ہوگا۔ مالک بن دینار نے فرمایا کہ "خائن کا امین بننا بھی خیانت کے لئے کافی ہے۔" (تلبیس ابلیس، مؤلفہ ابن جوزی صفحہ ۱۳۰)

اس سلسلہ میں نوائے وقت نے اپنی ۱۴ رجولائی ۷۲ء کی اشاعت میں اداریہ میں خوب لکھا تھا:

"جن اعلیٰ افسروں نے اپنے فرائض منصبی کی حدود سے تجاوز کر کے قانون و ضابطہ کے ساتھ ساتھ خوفِ خدا اور خلقِ خدا سے بھی بے نیازی برتی، ان کی یہ حرکت ناقابلِ معافی ہے اور ان کی طرف سے اس معاملہ میں ملازمت وغیرہ کی مجبوری کا جو عذر پیش کیا جاتا ہے، جس قدر تفصیل سے اس کا جائزہ لیں، اسی قدر وہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اور صحیح بات بھی یہ ہے کہ جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذمہ دار افسر سب کو نظر آنے والے ظلم اور جبر کے مرتکب ہوتے ہیں وہ سرکاری ملازمت ہی نہیں، معاشرہ و انسانیت کے لئے بھی باعثِ ننگ بن جاتے ہیں اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے میں کوئی نرمی، رعایت اور چشم پوشی نہیں ہونی چاہیئے۔ ان کے سخت محاسبے کے بغیر عبرت و انتباہ کے تقاضے پورے

[illegible] (اللہ) پیارے ہے ۔ مثلاً پروفیسر محمد عبدالحفیظ صدیقی لکھتے ہیں کہ " قاضیوں کو خلافِ شرع فیصلہ کرنے پر سلطنتِ دہلی کے دور میں موت کی سزا بھی دی گئی " (برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظامِ عدل گستری ص ۲۰۶ ، مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی ، اسلام آباد)

اسلام میں نہتے لوگوں پر گولی چلانا ہی ظلم نہیں بلکہ لوگوں کو مساجد اور مدارس میں جانے سے روکنا بھی ظلم ہے اور اسلام آئین کے مطابق حکومت کا سرکاری مذہب ہے ۔ قرآنِ مجید میں آیا ہے کہ :

" ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہٗ وسعیٰ فی خرابھا " (البقرۃ)

" اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو مساجد میں ذکرِ الٰہی سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہو "

" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں ، ان کے گھروں کو جا کر آگ لگا دوں جو مسجد میں جماعت کے لئے نہیں آتے "

پھر قرآن میں ہے کہ " اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان سے منہ موڑا " (الانعام : ۱۵۷)

یاد رہے کہ پاکستان کے صدر ، وزراء قرآن اور روایات پر ایمان لانے کا حلف اٹھاتے ہیں ۔ اب کیا ان کا یہ فرض نہیں کہ جس بات پر حلف اٹھائیں اس پر عمل بھی کریں ۔ ان پر عمل سے کوتاہی BREAK OF TRUST ہے یا نہیں ؟

اسلام میں عام حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہے مگر ہنگامی حالات میں فرضِ عین بن جاتا ہے ۔ (اسی واسطے حدیث کی رو سے ہتھیاروں کا استعمال ہر مسلمان پر سیکھنا واجب ہے اور اسی بنا پر علامہ اقبال کی زندگی میں مسلمانوں نے انگریزوں سے تلوار رکھنے کی عام اجازت حاصل کر لی تھی ۔ پھر علامہ نے اس پر نظم بھی لکھی جس کا عنوان ہے " آزادئ شمشیر کے اعلان پر ")

قرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ امر بالمعروف فرض ہے ، جب دوسرے لوگ ادا کر دیں تو فرض کفایہ ہو جاتا ہے مگر خاص حالتوں میں یہ فرض عین بن جاتا ہے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں اعلان فرما دیا تھا کہ " جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں "

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب برسرِ اقتدار آئے تو سب سے پہلے مسجد میں آئے اور عوام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میری بیعت کا قلادہ جو تمہاری گردنوں میں ہے میں اس کو خود نکالتا ہوں ۔ اب تم جس کو خلیفہ

مقرر کرنا پسند کرو، کر دو۔" اس پر سب لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کی خلافت پر راضی ہیں، اور ایک آواز بھی آپ کے خلاف نہ اٹھی۔

اس کے بعد آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! جو خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت واجب ہے اور جو اس کی نافرمانی کرے اس کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ جب تک میں خدا کی اطاعت کروں میری اطاعت کرو، اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میری فرمانبرداری تم پر واجب نہیں ـــــ میں فیصلے کرنے والا نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلوں کو نافذ کرنے والا ہوں۔ میں نئی بات نکالنے والا نہیں بلکہ سلف کی اتباع کرنے والا ہوں۔ . . . . اس امت نے خدا یا اس کے رسولؐ یا اس کی کتاب کے سلسلے میں اختلاف نہیں کیا بلکہ مال و دولت کی وجہ سے ان میں اختلاف ہوا ـــــ خدا کی قسم نہ تو میں کسی کو غلط بخشی کروں گا، نہ ہی کسی کا حق اس سے روکونگا"

اس کے بعد چونکہ آپ سابق خلیفہ کی تکفین وغیرہ کی وجہ سے تھک گئے تھے، آپ نے ذرا قیلولہ کرنا چاہا، مگر آپ کے صاحبزادے نے آپ کو آرام نہ کرنے دیا اور گذشتہ رات جاگنے کی پروا نہ کرتے ہوئے اصرار کیا کہ وہ فوراً پچھلی حکومت نے جو ناجائز اموال لوگوں کے لئے تھے اور جو غلط بخشیاں کی تھیں، ان کے کالعدم ہونے کا اعلان کریں کیونکہ اس کی گارنٹی نہ تھی کہ وہ نمازِ ظہر تک زندہ رہیں گے۔ یہ سن کر آپ اسی وقت مسجد میں پہنچے اور اموالِ مغصوبہ کی واپسی کا اعلان کیا [۱]

اسلامی نظام میں ایک ماتحت اپنے افسر کے اس حکم کی نافرمانی کے لئے آزاد ہوتا ہے جس کو وہ اپنے

---

[۱] دیکھئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نہ تو کوئی کمیشن بٹھایا اور نہ ہی کسی سے مشورہ لیا کیونکہ قرآن وسنت ان کے سامنے تھے اور وہ خود بھی عالمِ دین تھے۔ پس شریعت کے نفاذ میں معمولی سی تاخیر بھی جائز نہیں ہے لہٰذا نفاذِ شریعت کا یہ کوئی طریقہ نہیں کہ ایک نام نہاد کونسل اسلامی سفارشات کے لئے تشکیل دی جائے اور اس کو سات سال کا عرصہ دیا جائے۔ پھر ان سفارشات کو قبول کرنا یا نہ کرنا شریعت سے جاہل اسمبلی کے اختیار میں دیا جائے اور اس عرصہ میں قرآنِ مجید کے احکام کو معطل رکھ کر انگریزوں کے دورِ غلامی کے قوانین کے مطابق حکومت کی جائے۔ یہ شریعت سے کھلا مذاق ہے۔

نفاذِ شریعت کے سلسلہ میں کسی خاص مجموعۂ قوانین کی ضرورت نہیں، قرآن وسنت کافی ہیں۔ خلیفہ منصور

ماننے سے انکار کردے ۔ مثلاً عید کے موقع پر بچوں کے نئے کپڑوں کی ضد کی خاطر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے رقعہ بھیج کر بیت المال کے خازن سے پیشگی تنخواہ طلب کی ۔ مگر خازن نے تنخواہ دینے سے انکار کردیا یہ کہہ کر کہ امیرالمؤمنین کو اس بات کا کیسے یقین ہے کہ وہ مہینہ بھر زندہ رہیں گے ؟ (سیرت عمر بن عبدالعزیز) خازن نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کیا جس میں ضمیر کے فیصلے پر عمل کا حکم ہے ۔۔ ۔۔۔"استفت نفسک" (جامع الصغیر)

اسلامی آئین کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایک عام آدمی کو بھی اس بات کا موقع ملنا چاہیے کہ وہ سربراہ مملکت کا احتساب کرسکے ۔ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ جب ہارون رشید حج کے بعد کوفہ سے روانہ ہوا تو سڑک پر بہلول نے اس کو باآوازِ بلند پکارا ۔ خلیفہ نے جواب میں لبیک یا بہلول کہا تو بہلول نے کہا، "اے امیرالمؤمنین، ہم نے حدیث سنی ہے، عبداللہ عامری نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شہروں میں سے ہر شہر میں ایک ایک نسخہ بھیج دوں اور لوگوں کو حکم کروں کہ اسی کے مطابق عمل کریں اور اس سے تجاوز کرکے دوسری طرف نہ جائیں ۔ امام مالک نے کہا، اے امیرالمؤمنین ایسا نہ کیجئے ۔ کیونکہ لوگوں تک پہلے ہی سے اقوال پہنچ چکے ہیں اور وہ احادیث کو سن چکے ہیں اور روایات کو نقل کرچکے ہیں اور ہر گروہ نے اس پر عمل درآمد کرلیا ہے جو اس کے پاس پہنچ چکا ہے اور لوگوں میں اختلاف ہوگیا ہے ۔ اس واسطے لوگوں کو اسی حالت پر رہنے دیجئے جو انھوں نے اپنے لئے پسند کرلیا ہے ۔ یہ قصہ ہارون رشید کی طرف بھی منسوب ہے (حجۃ اللہ البالغہ)

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ علماء کا اختلاف اسلامی نظام کے نفاذ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا بلکہ حدیث مشہور کے بموجب ایسا اختلاف، رحمت ہے ۔

اسی طرح اگر آپ کو اسلامی اخلاق رائج کرنا ہیں تو اس کا بھی یہ طریقہ نہیں کہ تحقیقاتی کمیشن بٹھایا جائے، پھر جو رپورٹ وہ مرتب کرے کہ اسلامی اخلاق کیا ہوتے ہیں، پھر اسمبلی اس پر غور کرے۔ بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک محتسب مقرر کیا جائے جو بلا خوف وخطر احتساب کرے اور اس سلسلہ میں عوام وخواص حتیٰ کہ خلیفہ تک کی بھی رعایت نہ کرے — اور سربراہ کو بھی محتسب کے حکم پر عمل کرنا لازمی ہے۔ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "جب علماء خدا سے ڈرائیں تو مومن کو چاہیے کہ وہ ڈر جائے"۔ اور ڈرنے کا مطلب یہی ہے کہ نصیحت پر عمل کرے اور منکر سے رک جائے ۔

حج سے واپسی کا سفر فرمایا تو آپؐ اونٹنی پر سوار تھے اور کوئی ہٹو بچو کہنے والا نہ تھا ۔ پس اس سفر میں تمہارا بہ نسبت غرور کے تواضع اختیار کرنا بہتر ہے۔" یہ سن کر ہارون رونے لگا یہاں تک کہ زمین پر اس کے آنسو گرے ۔

یہ بہلول صاحب ایک مست تھے جن کو لڑکے چھیڑا کرتے تھے ۔

مسلمان فوج، پولیس اور سیاسی پارٹیوں کے کارکنوں کو اقبال کا یہ شعر کبھی نہیں بھولنا چاہیئے ؎

ہر کہ خنجر بہرِ غیر اللہ کشید
تیغ او در سینہ او آرمید

یعنی جو کوئی بھی اللہ کی راہ کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لیے خنجر کھینچے تو ایسے شخص کی تلوار لے کر اسی کے سینہ میں اتار دینی چاہیئے ۔ احادیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلمان صرف ایک مقصد کے لیے لڑتا ہے یعنی اللہ کے کلمہ کی سربلندی کیلئے ۔ مسند حاکم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"شہیدوں میں سب سے بلند مرتبہ حضرت حمزہؓ کا ہے اور ان کے بعد اس کا مقام ہے جو حاکم کے سامنے کھڑا ہوا اور اسے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے اس کو روکا پھر حاکم نے اس کو قتل کر دیا۔

اب ہر مسلمان خود ہی اپنا مقام متعین کر لے ۔

بہر حال اسلامی حکومت کا صحیح تصور یہ ہے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے ۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں ——— اسلام میں اصلاً نہ کسی کی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمنٹ کی نہ کسی شخص یا ادارے کی ! ——— اقبال نے کیا خوب کہا تھا ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر — پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز — دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری،
سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے — حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آذری
ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق — طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو